© rasailojaraid.com

اور مسلمانوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر مسرت و ابتہاج کا اظہار کیا اور اس سال کو "عام الجماعۃ" کے نام سے موسوم کیا اور مودودی صاحب بغض معاویہؓ میں اس طرح مبتلی ہیں کہ انہوں نے خلافت و ملوکیت میں اس حقیقت کا اظہار کچھ اس انداز سے کیا ہے جیسے کوئی شخص زہر کا پیالہ با دلِ نخواستہ پی لے۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں کہ :-

اسی لئے امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری [ربیع الاوّل ۴۱ھ]
کے بعد تمام صحابہ و تابعین اور صلحائے امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا
اور اس کو "عام الجماعۃ" اس بناء پر قرار دیا کہ کم از کم باہمی خانہ جنگی تو ختم ہوئی

[خلافت و ملوکیت ص ۱۵۸] (باقی آئندہ)

✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻

(بقیہ از ص ۲۳)

اس سے ثابت ہوا کہ تمام سابقین اولین دوامی طور پر جنتی ہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے۔ جب اس کے علم میں یہ بات آگئی کہ اللہ نے بعض بندوں کو دوامی طور پر جنتی فرمایا ہے تو اب ان کے حق میں جتنے بھی اعتراضات ہیں سب ساقط ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ خوب جانتا ہے فلاں بندہ سے فلاں وقت میں نیکی یا گناہ صادر ہوگا۔ اس کے باوجود جب باری تعالیٰ یہ اطلاع دیتا ہے کہ میں نے اسے جنتی بنا دیا تو اسی کے ضمن میں اس بات کا اشارہ ہوگیا کہ اس کی تمام لغزشیں معاف ہوگئیں۔ لہٰذا اب کسی شخص کا ان مغفور بندوں کے حق میں لعن طعن کرنا باری تعالیٰ پر اعتراض کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس لئے کہ ان پر اعتراض کرنے والا گویا یہ کہہ رہا ہے کہ یہ بندہ تو گناہگار ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسے جنتی بنا دیا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کفر ہے " فضائل صحابہ و اہل بیت ص ۲۰۶

دفترِ احرار چیچا وطنی میں ٹیلیفون کی تنصیب

دار العلوم ختمِ نبوت اور دفتر مجلسِ احرارِ اسلام جامع مسجد چیچا وطنی میں ٹیلی فون نصب ہو گیا ہے جس کا نمبر ۲۱۱۲ ہے۔ احرار کے سیکرٹری اطلاعات و نشریات عبد اللطیف خالد چیمہ سے دن کے وقت حسبِ سابق فون ۲۹۵۳ اور رات کے وقت فون نمبر ۲۱۱۲ پر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے

رکوڈ نمبر چیچا وطنی ۲۶۵ — منتظم دفتر احرار چیچہ وطنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چمن چمن اُجالا

کاروانِ احرار منزل بہ منزل

رحیم یار خان
نمائندہ خصوصی

دیوِ استبداد کی جمہوری قبا

• احرار کارکنوں اور دینی نمائندوں کا فرض

• موجودہ سیاسی حالات میں قومی اور ملکی مفادات کے تقاضے

قائد تحریک ختم نبوت ابنِ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کا ضلع رحیم یار خان کا انقلابی دورہ

گزشتہ ماہ قائد تحریک ختم نبوت ابنِ امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے ضلع رحیم یار خاں میں ہفتہ بھر کے تبلیغی دورہ میں چاہ رانجھے والا، قیصر جو یانے، بستی مولویاں، بستی نوحانیاں، بدلی شریف، بستی میرک اور صادق آباد میں احرار کارکنوں اور شہریوں کے مختلف اجتماعات سے خطاب کیا۔ آپ کے خطبات کی تلخیص ہدیۂ قارئین ہے

(ادارہ)

آج کل فیشن بن چکا ہے کہ لوگ اپنے بونے قد کو لمبا تڑنگا قد کاٹھ بنانے کے لئے حکمرانوں کی مخالفت ضروری اور بنیادی وسیلہ سمجھتے ہیں، چونکہ غرض بہت ہی مذموم اور مکروہ ہے اس لئے اس کے نتائج بھی مذموم و مکروہ نکلتے ہیں۔ فساد، فتنہ، مارکٹائی، قتل و غارت گری اور نفرتوں کا ہیبت ناک تنور دلوں میں دھڑک رہا ہے۔ لوگوں نے بن جمہوریت زادوں سے سیکھا۔ اسے یاد کیا اور اب آموختہ سنا رہے ہیں، جسے سننے کی جمہوری وڈیروں میں ہمت رسکت نہیں ہے۔ اسی جمہوری لکدکوبی کی ریس میں بعض لوگوں نے دینی مسائل میں بھی یہی سوقیانہ لب و لہجہ اپنا لیا ہے۔ اور وہ یہاں تک دریدہ دہن ہو گئے ہیں کہ امت کے دینی اسلاف حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی گفتگو کرتے ہوئے اس قدر بدتمیز ہو جاتے ہیں کہ آدمی غضبناک ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس پہ مستزاد یہ کہ ان جمہوریت کے جانور [illegible] سمجھا بھی جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس سلسلۂ جرح و قدح کو جاری بھی رہنے دیا جائے کہ اب جمہوری دور ہے اور یہ تنقید ان کا جمہوری حق ہے حالانکہ ایسی گفتگو تو کافر دوست سے سننا بھی قبول نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ خود مسلمان اسالیب و لہجہ اختیار کریں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سارا کچھ جمہوری مزاج کی پیداوار ہے اور جمہوری مزاج یہ ہے کہ جو کچھ عوام کرنا چاہیں انہیں کرنے دیا جائے، جو کچھ عوام پسند کریں اسے مستند سمجھا جائے، جس عمل، جس انداز اور جس لب و لہجہ کے ذریعے وہ ماحول کی تبدیلی چاہیں وہ قانون کے طور پر مان لیا جائے، اسے روکا نہ جائے اور جو رد کیے جانے کے مستحق کے بارے میں کہا جائے کہ عوام نے اسے دھتکار دیا ہے ——— اور اگر یہی رویہ عوامی منشور ہے تو کیا اسلام میں بھی یہی رویہ معتبر ہے؟ ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث اور تاریخ و سیرت میں یہ رویہ کہیں بھی اور کسی دور میں بھی اعتبار حاصل نہ کر سکا۔ جمہوری مزاج اور دینی مزاج میں یہی بنیادی فرق ہے کہ دین اپنے ماننے والوں سے تبدیلی مزاج کا مطالبہ کرتا ہے اور بے چون و چرا اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ اور جمہوریت اپنے ماننے والوں کے مزاج کے ماتحت خود تبدیل ہوتی ہے اور عوام کی اطاعت کرتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام کے اخلاق، سماجی رویے، گھریلو آداب، معاشی زندگی، اعمال، عبادات، معاملات حتیٰ کہ عقیدہ بھی بگڑتے چلے جاتے ہیں، ٹھہراؤ اور الٹاؤ نام کو نہیں ملتا۔ دینی مزاج اور اطاعت سے محروم عوام اور جنگل کے حیوانوں میں معمولی سا فرق ہے کہ وہ بھی اپنی خواہشات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے مگر خود کو آزاد سمجھتا ہے اور جمہوری حیوان بھی تکمیل خواہشات کے نت نئے بدلتے موسموں میں پابندی کو آزادی سمجھتا ہے اور نام نہاد دانشور جو دینی اطاعت کو پابندی اور بلائے جان سمجھتا ہے۔ جمہوریت کو قانون زندگی اور نظام ریاست کے طور پر قبول کرنے کو کامیابی و کامرانی کا ناقوس بجاتا ہے، حالانکہ کامیابی نام ہے صنعتی و زراعتی ترقی کا، معیشی و معاشرتی خوشحالی کا، اخلاقی تہذیبی رویوں کے ارتقاء کا، عبادات، معاملات اور اعتقادات میں رسوخ کا، انسانی خدمت اور انسانی ہمدردی کا ———

کامیابی تو یہ ہے کہ تمام انسانی سماج کو برابری اور برادری کے رشتۂ شرافت میں پرو دیا جائے۔ اور یہ دینی مزاج کی تخلیق و ترویج کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ آج کی دنیا کا معاشرہ اس نعمت سے نہ صرف یہ کہ یکسر محروم ہے بلکہ اس کے خلاف تمام خباثتوں میں نکھرا ہوا اور انسانی خون سے لت پت ہے ——— حرص، لالچ، خود غرضی، حسد، منافقت، جھوٹ، ملاوٹ، فریب، دھوکہ، قتل و غارت گری، لوٹ کھسوٹ، سازش، نفرت، بغض، عداوت، زنا، شراب اور جوا میں ڈوبا ہوا معاشرہ جمہوری معاشرہ کہلاتا ہے ——— اور دائیں بازو کا منافق دانشور اور بائیں بازو کا ننگا جارح اور مخلص دشمن دانشور، دونوں اس معاشرت، تمدن، اخلاق و تہذیب اور سماجی رویوں کو جائز اور درست مانتے ہیں ——— یہ دونوں دینی مزاج دینی اخلاق دینی فکر کے دشمن ہیں۔ ان میں سے پہلا دشمن دینی قوتوں کو ہلاک کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی زیادہ مہارت رکھنے والا [illegible] اسلام [illegible] اور خود ساختہ سماجی مذہبی رسوم کی بجا آوری سے رسمی مذہبی پیشوا ثبت سکے اسیروں کو نہ صرف مطمئن رکھتا ہے بلکہ مذہبی رسمی مولوی اس منافقت کی پلیٹ فارم میں آکر اس منافق دانش ور دشمن کا ہمنوا ہو جاتا ہے اور اپنی تمام تر حرام کاریوں اور حرام خوریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے بائیں بازو کے کھلم کھلا دشمن دانش ور کو کمیونسٹ دہریہ منکر خدا و منکر رسول کہتا رہتا ہے اور یہ رسمی مولوی خوشی خوشی اپنی معاشی پریشانیاں دور کرتا رہتا ہے اور ہمنوائی کا مذہبی فریضہ ادا کر کے سرخرو ہوتا ہے۔ پاکستان کے ۴۰ سال اسی منافقت اور دانش وروں کی چابکدستی پر سچے گواہ ہیں کہ اس منافق دانش ور نے دائیں بازو کے حلقوں میں تمام دینی روایات پر ظالمانہ تنقید کی اور اس کی یہ تنقید زبان زد عوام ہوئی کہ حکمران بھی دائیں بازو کا منافق تھا اور اس نے علی الاعلان دینی روایات پر ظالمانہ تنقید کی اور اس کی یہ تنقید زبان زد عوام ہوئی کہ حکمران بھی دائیں بازو کا منافق تھا اور علی الاعلان دینی روایات کا مذاق اڑایا، انہیں پامال کیا —— اور عوام کی حمایت بھی حاصل کی اور پھر سرکاری پروپیگنڈے کی سرپرستی میں اندرون ملک اور بیرون ملک یہ باور کرایا گیا کہ یہ عوام کی آواز ہے۔ عوام کی خواہش ہے، عوام کا فیصلہ ہے۔ لیکن یہی چاہت اور فیصلہ جب عوام نے بائیں بازو کے حق میں کیا تو اس کو کفر و اسلام کی جنگ کا نام دے دیا گیا اور حسب روایت دائیں اور بائیں بازو کی جنگ اقتدار میں مذہبی عناصر بائیں بازو سے بھڑ گئے بلکہ بھڑا دیئے گئے۔ نتیجتاً بائیں بازو کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ عوام و خواص نے بائیں بازو کو خارش زدہ کتے کی طرح زخم چاٹنے کے لئے چھوڑ دیا۔ پاکستان میں تین تجربے اسی قسم کے ہوئے۔ ساتویں دہائی میں بھٹو صاحب نے تقسیم پاکستان کے امریکی و روسی فارمولے پر عمل کیا اور مسلم لیگی پاکستان کو عوامی پاکستان میں ڈھال دیا اور سات سال اسی جمہوری قبا کی لکدکوبی میں بلا شرکت غیرے گزار دیئے اور اپنے استبدادی دیو کا برہنہ رقص کرایا۔ عوام و خواص شیطانی رویوں میں عروج پر پہنچے تو دائیں بازو کی سیاسی ٹیموں نے الیکشن میں لنگر لنگوٹ اتار کے الیکشن لڑا۔ الیکشن میں انہی عوام نے بھٹو صاحب کو چاروں شانے چت کر دیا، تو بھٹو صاحب کے اندر کا جاگیردار بھڑک اٹھا، اور اس نے انہی عوام کا فیصلہ رد کر دیا جنہوں نے ۷ سال پہلے ان کے حق میں فیصلہ دیا تھا انہی عوام کا فیصلہ اب قبول نہیں ہے۔

دائیں اور بائیں بازو کے سیاست کاروں کی یہ ابلیسی چالیں تو عوامیت ہے۔ لیکن جو لوگ دین کی بات کریں تو اس کو ملاازم کہا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ دین و شریعت کی بات کرتے ہیں کیا وہ عوام نہیں ہیں۔ —— ؟ ان کی خواہش عوام کی خواہش نہیں ہے؟ ان کا فیصلہ عوام کا فیصلہ نہیں ہے؟ یہ ملاازم ہے یا یہ خونخواریت یا یہ دقیانوسیت ہے —— یہ بھی تو عوام ہی مانگتے ہیں۔ یہ قبول کیوں نہیں کیا جاتا؟ عوام کو کیوں نہیں دیا جاتا [illegible] سیاسی حکمت عملی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو عوام پر مسلط کرکے اسے عوامی فیصلہ کہا جاتا ہے اور غریب پسے ہوئے طبقوں کی دینی آواز کو دبانے اور کچلنے کے لیے دائیں اور بائیں کے منافق مل کر اسے ملّا ازم، ملائیت، مذہبی پیشوائیت کا نام دے کر بیرونی حمایت بیرونی حکمتِ عملی اور بیرونی سرمائے کی طاقت سے کچل دیتے ہیں۔ لیکن جب اپنی گردنوں میں استبداد کا رسہ فٹ ہو جاتا ہے تو چلانے لگ جاتے ہیں کہ یہ اسلام کے خلاف سازش ہے۔

پاکستان کے چاروں مسلک کے سیاسی علماء نے جمہوری نظام ریاست پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ علماء نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ جمہوریت پر متفق ہو سکتے ہیں، اسلام پر ان کا اتفاق ممکن نہیں۔

اب اگر علماءِ اسلام کی بات کریں تو وہ اس میں ہرگز مخلص نہیں۔ پی پی کی کامیابی کے ذمہ دار بھی یہی سیاسی علماء ہیں، خصوصاً وہ سیاست دان اور علماء جو گیارہ سال سے مسلسل ایک عورت کی سیاسی قوت اور اس کی سوجھ بوجھ سے نفع اندوز ہوتے رہے ہیں۔ پاکستان میں عورت نے ایک ہی جست میں یہ مقام حاصل نہیں کیا بلکہ ماڈرن یونیورسٹیز طبقہ نے تدریجی ارتقائی عمل سے عورت کو یہ مقام دلایا ہے جس کی پشت پناہی پاکستان میں نام ہونے والی ہر حکومت نے کی خصوصاً ایوب اور بھٹو دورِ حکومت میں باقاعدہ منصوبہ بندی سے عورت کو سیاسی قوت بنایا گیا اور یہ تمام کارروائی سامراجیوں کی پس منظر کی طاقت کے سہارے عمل میں لائی گئی ہے۔ ضیاء الحق شہید کے دور میں سامراجیوں کی اعلانیہ مداخلت سے عورت کو سیاسی جدوجہد میں دھکیلا گیا اور سیاسی علماء نے مداہنت سے کام لیتے ہوئے اس امریکی پروگرام کے خلاف بیان تک نہ دیا۔ ضیاء دور میں ہی امریکی قونصلیٹ ان سیاسی علماء سے باری باری ملا اور جدید ترین ثقافتی عورتوں سے بھی ملا اور پاکستان میں عورت کے حقوق، عورت کی حیثیت چل نکلی جس سے عوامی مزاج تشکیل پاتا گیا۔ اب علماء اور دائیں بازو کے سیاسی بیٹے اور سیاسی حاشیے چیخ رہے ہیں کہ عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔ میں پوچھتا ہوں، ماضی قریب میں علماء اور سیاست دان جو کچھ کرتے رہے، اب اس کا نتیجہ کیوں قبول نہیں کرتے؟ میں کہتا ہوں اگر عورت کا سربراہ ملک بننا حرام ہے، گناہ ہے تو اس کے مجرم علماء اور دائیں بازو کے سیاست دان ہیں۔ پاکستان میں اپوا، اپفوا، گرل گائیڈ، ووِمن موومنٹ وغیرہ تنظیمیں تم دائیں بازو والوں نے بنوائیں، اور سیاسی علماء نے تمہاری سرپرستی کی۔ علماء جمہوریت قبول کرتے ہیں مگر جمہوری فیصلہ قبول نہیں کرتے۔ پھر انہیں اسلام یاد آجاتا ہے۔ اسلام الیکشن سے نہیں، تبلیغ اور جہاد سے قوتِ حاکمہ بن سکتا ہے، ووٹوں سے اسلام کی الف بھی نہیں آسکتی۔ الیکشن سرمایہ داروں کا کھیل اور کاروبار ہے۔

© rasailojaraid.com

مجلس احرارِ اسلام اسی لئے ان منافق سیاسی حرام کاروں کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ نہ دایاں بازو،